ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.3(2023)
(October to December)

اُردو ناول میں علامتی اظہار کا آغاز اور ''ابن الوقت''

The Beginning of Symbolic Impression in Urdu Novel and "Ibn-ul-Waqt"

ڈاکٹر زاہدہ فاضل
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جھنگ یونیورسٹی، جھنگ
ڈاکٹر قیصر آفتاب احمد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ

Dr. Zahida Fazil
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Jhung, Jhung
Dr. Qaisar Aftab Ahmad
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sialkot,Sialkot

Abstract:
Urdu Novel is influenced by the western novel from its beginning. Deputy Nazir Ahmad wrote many stories in late 19th Century and most of the stories are linear with straight plot, however the novel "Ibn Ul waqt" has its unique characteristics. In this novel, it is tried to portray a symbolic story by using many symbols in in the form of characters, clothes, fashions and professions. In this research it is focused to explore the impressions of the symbols in novel " Ibn Ul Waqt". The art of the novel in the subcontinent is the product of a specific background. The British colonial system provided the foundations for its initiation. In order to understand the beginning and evolution of the novel and the symbolic style, it is necessary to understand the specific political, social, social, and cultural background because the subject of the novel is an individual who has a specific social background. Although social realism And realism are the main symbols of the novel, but literary expression creates deeper meaning through symbolic scaffolding. Symbols are born from socio-intellectual evolution and also represent it.

Keywords: : Urdu Novel, Ibn ul Waqt, Symbol, colonial, Deputy Nazir Ahmad, realism, literary expression.

ناول برصغیر کی مشرقی روایات اور تہذیبی اساس کی پیداوار نہیں بلکہ یہ مغربی تہذیب میں ہونے والے ہمہ جہتی تغیر کا نتیجہ ہے۔ مغرب میں نشاۃ الثانیہ سے شروع ہونیوالا تبدیلی کا سفر سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں بہت تیز ہو گیا اوراس تغیر کے نتیجے میں سماج، مذہب اور تمدن کے روایتی تصورات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے۔ مسلمہ اخلاقی، مذہبی، معاشرتی، ادبی اور جمالیاتی اقدار نے بھی اپنا رنگ بدلنا شروع کر دیا۔ روایتی اصنافِ ادب بھی اس تہذیبی تغیر کے آگے نہ ٹھہر سکیں۔ عہد نو کے فکری اعلامیے کے مطابق داستان، رومان، رزمیہ والمیہ جیسی اصناف نئے سماج کی ترجمانی نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے نئے سماج اور نئے عہد کی نمائندگی کے لیے ناول جیسی وسیع الجہت صنف وجود میں آئی۔ مغرب ہی تمام تبدیلیوں کا مرکز و مراجع تھا۔ اس خطے میں ہی جاگیر دارانہ نظام اور اس

سے جڑی اقدار و تہذیب پر سب سے پہلے سرمایا دارانہ نظام نے غلبہ پا کر نئے تہذیبی اور علمی اعلامیے کو فروغ دیا۔ ناول اس نئے اعلامیے کی ادبی جہت تھی۔

برصغیر میں ناول کا فن مخصوص پس منظر کی پیداوار ہے۔ برطانوی نو آبادیاتی نظام نے اس کے آغاز کو بنیادیں فراہم کیں۔ ناول کے آغاز و ارتقا اور علامتی اسلوب کو سمجھنے کے لیے یہاں کے مخصوص سیاسی، سماجی، معاشرتی اور تہذیبی پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ ناول کا موضوع ایک ایسا فرد ہوتا ہے جو مخصوص سماجی پس منظر کا حامل ہو۔ اگرچہ سماجی واقعیت نگاری اور حقیت نگاری ناول کی بنیادی رموز ہیں لیکن ادبی اظہار علامتی سہاروں کے توسط سے گہری معنویت کو تشکیل دیتا ہے۔ علامتیں سماجی و فکری ارتقا سے جنم لیتی ہیں اور اس کی نمائندگی بھی کرتی ہیں۔ برصغیر میں انیسویں صدی کے آغاز سے ہی منظم طور پر نو آبادیاتی اداروں کی تشکیل شروع ہو گئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست کے بعد مقامی آبادی میں احساس کمتری فروتر ہو گیا اور ہندوستان میں ایک ایسے عہد کا آغاز ہوا جس میں مقامیت کی نفی اور مغربی کلچر کو بہتر اور معیاری سمجھ کر اس کی پیروی کی جانے لگی۔ سماجی، معاشرتی، ثقافتی اور علمی ہر سطح پر تبدیلی سرایت کرنے لگی۔ علی گڑھ تحریک اور سرسید نے اپنی بقا کی کوششوں میں نو آبادیاتی فکر کی معاونت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

نو آبادیاتی اثرات کے تحت برصغیر میں ناول کو فروغ ملا جس سے روایتی اصنافِ ادب، قصیدہ، مثنوی اور داستان کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی۔ اس دور میں نو آبادیات کے زیر اثر برصغیر نشاۃ الثانیہ سے متعارف ہوا۔ نو آبادیاتی تمدن نے ہر سطح پر ہندوستانیوں کی زندگی میں تبدیلی پیدا کی۔ ماضی ان کے لیے فرسودہ ہو گیا، نئے علوم و فنون انگریزی زبان و تہذیب ان کے آدرش بنا دیے گئے۔ نئی تعمیرات، نئی ایجادات مثلاً ریلوے اسٹیشن، سینما، اسپتال، کالج اور اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم ہوئے۔ مقامی موسیقی، مصوری اور ادب پر نو آبادیاتی اثرات کا غلبہ ہوا۔ انگریز استعمار کے غلبے کا عہد دراصل ایک ایسے عہد سے عبارت ہے جس میں ہندوستان میں ایک نیا سیاسی، ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی شعور تشکیل اور اظہار پا رہا تھا۔ اسی فکری شعور اور اظہار کی بدولت جدید عہد میں داستان نے ایک نئی صورت بدلی۔ چونکہ داستانیں اور داستان گو ایک خاص عہد کے پروردہ تھے اس لیے صنعتی تمدن میں خیال آرائی کی گنجائش کم ہو گئی اور زندگی کی حقیقی تصویر کشی کی ضرورت پیش آئی۔ اس طرح داستان اپنا پیرہن بدل کر ناول کا روپ اختیار کر گئی۔ ناول کا آغاز انسانی سماج کی ترقی کے ایک خاص عہد سے ہوا۔ ڈاکٹر ریاض ہمدانی لکھتے ہیں:

> "مغرب کے برعکس ہندوستان میں پیدا ہونے والا متوسط طبقہ مقامی ضرورت کے بجائے نو آبادیاتی ضرورت کے تحت وجود میں آیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں پیدا ہونے والے اس نئے طبقہ کو نو آبادیات نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ اس طبقے کی ذہن سازی میں صحافت، رسائل و جرائد، مضامین، سوانح، ڈرامہ، تمثیل، انگریزی کتب کے تراجم، مکاتیب اور حقیقی قصوں سے ملتی جلتی کہانیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ اس مختصر مدت کے ذہنی و فکری ارتقا اور انگریزیت کے اثرات نے اس طبقہ کو ناول ایسی صنف کی طرف مائل کیا۔۔ ہندوستان میں اردو ناول مغربی تقلید اور سامراجی مقاصد کے تحت عمل میں آیا"(۱)

اگرچہ ناول کی اصطلاح، ہئیت اور فن انگریزی زبان سے اردو میں منتقل ہوئے اور اس کی پیروی میں ہی اردو روایت آگے بڑھی لیکن ہندوستان کے مخصوص سماجی حالات جن کی وجہ سے قصہ گوئی نے تخیلاتی فضاؤں کو خیر آباد کہا اور حقیقت کا روپ دھارا، وہ

بھی اپنی جگہ پر اہمیت رکھتے ہیں۔ 1857ء سے پہلے ہندوستان کی کسی بھی زبان میں ناول کا وجود نظر نہیں آتا۔ یورپ میں بھی نشاۃ الثانیہ کے بعد ناول کی مقبولیت ہوئی تھی جس نے پرانے اصول وضوابط اور اقدار پر سوالیہ نشان لگا دیا تھا۔ ہندوستان قدیم سے جدید کی طرف راغب ہو گیا اور جاگیر دارانہ اقدار سرمایہ دارانہ نظام میں تبدیل ہو گئیں۔ ان حالات کے تحت تخلیق کاروں نے سماجی حالات و تغیرات کو محسوس کرتے ہوئے قصہ گوئی کے فن کو ناول کی حیثیت سے برتنا شروع کیا۔ یوں اردو ادب میں ناول کا آغاز ہوا اور ناول ایک ایسی صنف کے طور پر ابھر کر سامنے آیا جس میں زندگی کی وسیع الجہتی کو دیگر اصناف کے مقابلے میں بہتر طور پر پیش کیا گیا۔

در حقیقت ناول داستان کی ارتقائی صورت ہے۔ ناول کے موضوعات، اس کو کہانی کی نوعیت اور ارتقائی کرداروں کے لحاظ سے کئی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ڈرامائی، مہماتی، نظریاتی، تاریخی، جاسوسی اور علامتی ناول وغیرہ۔ قبل اس کے کہ علامتی ناول پر بات کی جائے دیکھتے ہیں علامت سے کیا مراد ہے علامت نگاری کا رجحان کیسے ادب میں شامل ہوا۔

فرانسیسی ادب میں اپنے مخصوص سماجی و حالات و اسباب کے رد عمل میں علامت پسندی کی تحریک شروع ہوئی۔ (۱۸۷۰ء تا ۱۸۹۵ء) کے عہد میں فرانسیسی ادب نیچرل ازم کی خشک منطقیت اور روائتی دائروں کا اسیر تھا اس کلیشے کو توڑنے کے لیے علامت پسندوں نے شعر و ادب میں روایتی جذباتیت اور وضاحتی اندازِ بیان کو مختصر الفاظ میں علائم کی صورت میں بدل دیا۔ فرانسیسی علامتی ادب کی تحریک زیادہ تر شعرا کے زیرِ اثر رہی، یوں علامتی ادب کی تحریک نے شاعری کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور اس کے اثرات دنیا کے مختلف خطوں تک پہنچے۔ اردو کے حوالے سے دیکھیں تو یہ زمانہ علی گڑھ تحریک کے عروج کا دور ہے۔ یہ عہد ادب میں عقلیت پسندی، سادگی اور حقیت پسندی کے غلبے کا دور ہے اردو ناول بھی اسی عہد کی پیداوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ناول کا آغاز سادگی، سلاست اور روایتی کہانیوں سے کیا گیا جن میں حقیقیت نگاری اور واقعیت نگاری کا عمل دخل زیادہ نظر آتا ہے۔ اردو میں علامت کا مفہوم بھی وسعت کا حامل ہے۔ اس سلسلے میں علامت کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ نور اللغات میں علامت کے معنی یہ بیان ہوئے ہیں:

"اشارہ، کنایہ، مہر، ضرب، نشان، مارک، پتا، سراغ، کھوج" (۲)

اظہار کا بالواسطہ پیرائیہ یعنی ایک بات کہنا اور اس سے دوسری بات بھی مراد لینا علامت کے سبب ممکن ہوا۔ علامت سے مراد وہ لفظ جس کے ذریعے جو کہا جائے اس سے کچھ زیادہ یا الگ معنی مراد لیے جائیں۔۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ علامت کی بطور ادبی اصطلاح وضاحت کرتے ہیں کہ علامت مخفی تصورات کے وسیع نظام کی مجمل ترین شکل ہے۔ (۳) ادبی زبان علامتی اور استعاراتی ہوتی ہے۔ علامت فوری طور پر نہیں بنتی اس کے بننے میں ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ جب بات ڈھکے چھپے انداز میں کہنی ہو تو علامت وجود میں آتی ہے۔ علامت نگاری کے رجحان کے سلسلے میں امریکی شاعر اور افسانہ نگار ایڈگر ایلن پو سب سے اہم شخصیت ہے جسے فرانسیسی شاعر بودلئیر نے دریافت کیا۔ بودلئیر نے ان کی تحریروں کو پڑھا اور ۱۸۵۲ء میں ان کی کہانیوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ یورپ میں ابتدا میں ان تراجم نے علامت نگاری کی تحریک کے آغاز میں بنیادی کردار ادا کیا۔ علامت کے حوالے سے روش ندیم لکھتے ہیں:

> "علامت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کہیں سے اخذ شدہ نہیں ہوتی ہیں اور نہ ہی مستعار لی جاتی ہیں بلکہ شعور کے کے صحرا میں موجود تخلیقی سرچشمے سے جنم لیتی ہیں اور اجتماعی لاشعور کے سہارے قرنوں کی ذہنی تاریکی کو دور کر دیتی ہیں۔ گویا یہ ایک حسیاتی انکشاف ہے۔" (۴)

روز بروز بڑھتے ہوئے تقاضوں اور بدلتی اقدار نے انسان کو مختلف مسائل سے دوچار کیا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے مارشل لا کے نفاذ سے عوام کی جو زباں بندی کی صورتِ حال پیدا ہوئی اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں نے علامتی انداز اختیار کیا تاکہ ایسی باتیں کھل کر بیان نہ کریں جو باآسانی احتساب کی زد میں آسکتی تھیں۔ اس حوالے سے روش ندیم لکھتے ہیں:

"یورپ کی علامتی تحریک مخصوص تاریخی پس منظر میں ابھری تھی۔ برصغیر پاک و ہند میں جس علامتی تحریک کو بروئے کار لایا گیا اس کی اپنی جڑیں مفقود ہیں۔"(۵)

ابتدا میں علامت کو نشان کے معنوں میں لیا جاتا تھا۔ یوں بھی علامت کو جب کسی مخصوص معنوں میں استعمال کیا جائے تو وہ علامتی مفہوم سے تہی ہو کر نشان کی سطح پر اتر آئے گی۔ مثلاً درانتی اور ہتھوڑے کا نشان اشتراکی نظام کی طرف ذہن کو لے جائے گا۔ اس طرح صلیب حضرت عیسیٰ کی طرف اور ہلال کی علامت اسلام اور اعصا کلیم اللہ کی نمائندگی کرے گا۔ گویا یہ سب علامتیں نشانات کی مختلف شکلیں ہیں۔ علامتی تحریک نے سائنسی شعور اور اندازِ فکر کے خلاف جہاد کیا۔ یوں حقیقی زندگی میں معلوم سے نامعلوم کی طرف تخلیقی سفر کی بجائے علامت نگاری کی تحریک میں نامعلوم سے اپنا راستہ استوار کر لیا اور حقیقی زندگی سے منہ موڑ لیا۔ یورپی سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں جو ترقیاں ہوئیں اور رومانوی تحریک میں علامتی تحریک نے بھی ان ترقیوں کو انسان کی فطری آگاہیوں کے خلاف ایک کھلا محاذ قرار دے دیا۔ علامت نگاری کی اس روایت کو رومانویت کی توسیع قرار دیا جاتا ہے اور مفاہیم کی بازگشت علامتی انداز میں سنی جاسکتی ہے۔ زمانۂ قدیم میں جب فنِ تحریر نہیں تھا تو لوگ مختلف چیزوں کو علامت کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

جس طرح تاریخ قوموں کے عروج و زوال کا دستاویزی ثبوت ہوتی ہیں اسی طرح ادبی تاریخ انسانی زندگی، ذہن اور فکری ارتقا کی دستاویز ہے۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے عہدِ غلامی نے ہمارے ذہنوں میں جن نفسیاتی پیچیدگیوں کو جنم دیا اس میں انگریزی زبان سے مرعوبیت یا اس کے مقابلے میں احساسِ کمتری سرِفہرست ہے۔ انیسویں صدی کا آخر اور بیسویں صدی کا آغاز مسلم حکومت کے اس دور کی کہانی ہے جب انگریزوں کے مکمل تسلط نے مسلمانوں کی سیاسی، علمی اور تہذیبی روایت کو مٹا ڈالا۔ یہی سبب ہے کہ بیسویں صدی کی ابتدا میں مغربی نظریات و افکار نے ہندوستان کی تعلیمی فکری اور سیاسی زندگی کو شدید طور پر متاثر کیا۔ اردو ادب نے بھی مغرب کے زیرِ اثر اپنا رنگ بدلا۔ نئے انداز نئے موضوعات اور نئی اصناف نے اردو ادب میں راہ پائی۔ بلاشبہ اردو کے افسانوی ادب کو شعوری طور پر سب سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد نے طوطا مینا کی کہانیوں، طلسماتی دنیا کی حیرتوں اور مافوق الفطرت عناصر سے نجات دلا کر ایسے قصے لکھے جو نا صرف اپنے عہد کے مزاج اور ماحول کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ پہلی دفعہ ان قصوں میں سچ مچ کے انسان حقیقی دنیا کے مسائل کا سامنا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان قصوں میں خاص مقصدیت پائی جاتی ہے اور یہ مقصدیت اس قدر واضح ہے کہ یہ قصے ناول کم اور پند و نصائح کے دفاتر زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس زمانے کے معاشرت کی اچھی تصویر کھینچی ہے۔ دلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے کی وجہ سے مولوی نذیر احمد کی فکر میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وہ اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگر میں دلی کالج میں نہ پڑھا ہوتا تو میں کیا بتاؤں کیا ہوتا، تنگ نظر، متعصب، مسلمانوں کا نادان دوست، تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرا"۔(۶)

مولوی نذیر احمد نے جو کہانیاں مراۃ العروس، بنات النعش توبتہ النصوح، ابن الوقت فسانہ مبتلا، رویائے صادقہ، اور ایامی کے نام سے لکھی ہیں دراصل یہ نثر میں طویل واقعاتی تمثیلیں ہیں۔ ان سب میں کسی نہ کسی سماجی یا عائلی نوعیت کے معاملے کو اہمیت دی گئی ہے جن کا درس مصنف کا اولین مقصد ہے۔ عموماً تمثیلوں میں کیفیت یا احساس تو کرداروں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے اور ان کے نام اس احساس اور کیفیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مولانا کی طویل نثری کہانیوں کے کردار بھی اسمِ بامسمّٰی ہیں اور وہ کسی کیفیت کی نمائندگی کرنے کے ساتھ ساتھ جیتے جاگتے انسان بھی ہیں۔ ان کے کرداروں کی یہ دوطرفہ خصوصیت انہیں کسی حد تک تمثیل کے دائرے میں لے جاتی ہے لیکن یہ کردار گوشت پوست کا وجود بھی رکھتے ہیں اور حقیقی زندگی سے متعلق ہیں اس لیے ان کی یہ خصوصیت انہیں ناول کے دائرے میں لے آتی ہے۔ چنانچہ ان کے قصوں میں داستان کے سے طرزِ بیان کی خوبی، تمثیل کے کرداروں جیسے اسم بامسمّٰی کردار اور حکایت کی طرح اسباب کے لازمی نتائج کے طور پر واضح ہیں۔ ان کے قصوں کا روایتی فوق الفطرت عناصر سے انحراف، داستان سے ناول کی طرف پہلا کامیاب موڑ ہے۔

ڈپٹی نذیر کا عہد وہ تھا جب انگریزی نشاۃِ ثانیہ کی روشنی نے صاحب الرائے مسلمانوں کو اپنی قوم کے تنزل کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ ان حالات میں ڈپٹی نذیر احمد، سرسید احمد خان، اکبر الہٰ آبادی، مولانا محمد حسین آزاد جیسی قدر آور شخصیات نے اس عہد کی معاشرتی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ 1857ء کے بعد جو مغربی ثقافت وعلوم کا چراغ روشن ہوا تو سیدھی وجہ یہ ہے کہ اپنا دامن تہی تھا۔ دیمک خوردہ شہنشاہت، مردہ جاگیر دارانہ نظام، مذہب کی روح سمجھے بغیر رسوم وروایت کی صورت میں اس پر عمل پیرائی، ان عوامل کی وجہ سے مغربی تہذیب وثقافت، علوم، فکر وفلسفہ اور منطق نے فروغ پایا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

> "سرسید اور نذیر احمد دونوں غدر کا الزام مسلمانوں سے دور کرنا چاہتے ہیں لیکن سرسید جو تاویل مذہب کے ساتھ ساتھ انگریزی معاشرت اپنانے کی ترغیب دلاتے تھے۔ مولوی نذیر احمد اسے مسلمانوں کے حق میں مضر سمجھتے تھے۔ غدر کا بوجھ مسلمانوں کے سر سے اتارنے کے لیے نذیر احمد نے ابن الوقت سے نوبل صاحب کی دعوت میں جو تقریر کروائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے اس بارے میں مولوی نذیر احمد سرسید سے پوری طرح متفق تھے۔ غرض یہ پوری کتاب سرسید اور نذیر احمد کے سیاسی، سماجی اور مذہبی نظریات کی ہم آہنگی اور اختلاف کی مکمل آئینہ دار ہے"(۷)

سرسید تحریک نے مذہب اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے عقل کو معیار بنایا۔ سرسید نے مقصدی ادب کو سماج کی پیداوار قرار دیا اور اس کا شد و مد سے اظہار بھی کیا۔ فورٹ ولیم کالج، دلی کالج اور دیگر محرکات نے اردو زبان کے پر تکلف اسلوب کو بدل دیا تھا۔ ادب کو روایتی عاشقانہ مضامین کی ڈگر سے ہٹا کر ایسے مقصدی ادب کی ترویج پر زور دیا جو سماج سدھار، تعلیمِ نسواں، توہمات اور رسوم ورواجات کے نقصانات اجاگر کرنے، ترقی کی دوڑ میں شمولیت کی تلقین اور علوم وفنون کے حصول سے ذہنی کشادگی پیدا کرنے کے لیے کار آمد ثابت ہو۔

ڈپٹی نذیر احمد قصے کو ایک ایسی ہئیت یا سانچہ سمجھتے تھے جس میں مختلف قسم کے واقعات مرتب کیے جانے کی گنجائش موجود تھی۔ وہ محض وقت گزاری کے لیے داستان کے مافوق الفطرت کرداروں کے قائل تھے اور نہ اخلاق بگاڑنے والے ناول کے قصے کہانیاں پسند کرتے تھے۔ اس لیے مولانا نے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کے لیے زبان کے سب سے دلچسپ مشغلے، قصے کو اپنی بات

کہنے کا ذریعہ بنایا۔ جس طرح پرانے زمانے میں بعض مشکل علوم وفنون مثلاً صرف ونحو، تاریخ وطب کو مکتبی ضرورت کے تحت دلچسپ ، سہل اور قابلِ یاداشت بنانے کے لیے انہیں نظم کے لباس میں ملبوس کر دیا جاتا تھا، اسی طرح انہوں نے مذہب و اخلاق، تعلیم بسا اوقات اپنے سیاسی نظریات کی پیش کش ناول کے انداز میں کی ہے۔ ان کے قصوں اور دیباچوں سے ظاہر کہ ان کا اولین مقصد اصلاحِ معاشرہ کی خاطر بعض اہم مسائل کی تعلیم و تفہیم تھی۔ انہوں نے قصے کی زبان و بیان کو وضاحتی اور منطقی نثر سے زیادہ قابلِ فہم اور پر تاثیر سمجھا۔

مولوی نذیر احمد نے کمال مہارت کے ساتھ ابن الوقت کے کردار میں وہ گہری معنویت پیدا کر دی ہے کہ وہ کردار بیک وقت ایک حقیقی بھی ہے اور تمثیلی بھی۔ نئی صورتِ حال ابن الوقت کا خاص موضوع ہے۔ سو نئی بدلتی ہوئی صورتِ حال یہی ہے کہ انگریز اور انگریزیت اس تاریخی ریلے کی علامت ہیں۔ نوبل اس حقیقت کی جانب یوں اشارہ کرتا ہے کہ میں نے اب نہیں، غدر سے بہت پہلے دیکھا:

> "اتنے میں سامنے سے ایک گورا نظر پڑا کہ اکیلا پائپ پیتا ہوا، سیدھا چلا آرہا ہے اور لوگ ہیں کہ آپ سے آپ کائی کی طرح اس کے آگے سے پھٹے چلے جاتے ہیں۔۔۔ یہ قومی تعزز کا اثر ہے"۔(۸)

اس ناول میں معاشرتی دباؤ اور مزاحمت کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول نگار کا خیال ہے کہ معاشرے میں تبدیلی توازن کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ابن الوقت انگریزوں سے برابری چاہتا تھا جو مسٹر شارپ یعنی انگریز کو پسند نہیں آئی۔ ابن الوقت میں مصنف اس حقیقت سے آگاہ دکھائی دیتے ہیں جو نو آبادکار اور مقامی افراد کے مابین جنم لیتی ہے۔ نو آبادکار ابتدا میں یہی پالیسی اپناتے ہیں کہ مقامی سماج کو ان کے تاریخی و تہذیبی ورثے سے منقطع کر دیں اور اپنی معاشرت کو بطور مثال ان کے سامنے پیش کرنے میں فخر محسوس کریں کیونکہ حاکم کی نفسیات یہی ہوتی ہے کہ وہ محکوم کو اپنی برابری سے بہر صورت دور رکھے۔ اس ناول میں مصنف کا تہذیبی شعور ایک نئی کروٹ لیتا ہے جو اپنی مشرقی پاسداری کا لحاظ رکھتے ہوئے مکمل مغربی تمدن اپنانے میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔

فکری اعتبار سے ڈپٹی نذیر احمد کے ناول کو اگر دیکھا جائے تو ایک طرح سے اس میں مستقبل کی تصویر نظر آتی ہے۔ اس ناول میں معاشرتی رویے کے علاوہ انگریزی معاشرت کی اندھی تقلید کے وہ نتائج دکھائے گئے ہیں جن سے ہم آج گزر رہے ہیں۔ کوئی بھی قوم ایمانداری، محنت اور علم کے ذریعے ترقی کی منازل طے کرتی ہے تو کردار سازی کے ساتھ ساتھ اس کی سماجی، معاشی اور معاشرتی زندگی میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی قوم محنت اور ترقی کے بغیر کسی دوسری ترقی یافتہ قوم کی تہذیب و ثقافت یا زبان اپنا کر بڑا بننے کی کوشش کرے تو اس اس محاورے کی مصداق "کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی بھی بھول گیا" ایک مضحکہ خیز صورتِ حال سے دوچار ہو جاتی ہے۔ ابن الوقت میں حجت الاسلام مصنف کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں:

> "کسیرے، کنجڑے، بھٹیارے انگریزوں کے شاگرد پیشہ یہاں تک کہ سائیس، گراسکٹ جن کی ہفتاد پشت میں کوئی اہلِ قلم ہوا ہی نہیں نوکری کی دھن میں سب مدرسوں میں (انگریزی مدارس) پڑھ رہے ہیں"۔(۹)

ابن الوقت وہ کردار ہے جسے انگریزوں نے خود اپنی سیاسی ضرورت کے لیے جنم دیا تھا اور جس کے لیے دلی کالج نے ایک خاص فضا بنائی تھی جو نا صرف نو آبادیاتی نظام کو سہارا دیتا ہے بلکہ اپنے تاریخی اور تہذیبی ورثے اور اپنی قوم کے افراد سے منقطع ہو

جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء نے قدیم اشرافیہ کو ختم کر دیا تھا اور ان کی جگہ نیا متوسط طبقہ، مصروفِ کار نظر آتا ہے جس نے حصولِ تعلیم کے بعد انگریزی حکومت کی ملازمت میں عزت، تحفظ اور فارغ البالی دیکھی۔ ڈپٹی نذیر احمد انگریزی تعلیم کے صرف اس لیے مداح تھے کہ انگریزی راج میں یہی ترقی کا زینہ اور صاحب تک رسائی کا سفینہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عارف یوں رقم طراز ہیں:

> "ابن الوقت نہایت سنجیدگی کے ساتھ انگریزیت کی راہ پر روانہ ہوا۔ مقصد حاکم و محکوم کی اجنبیت دور کرنا تھا۔ اس لیے کہ دونوں کے طرزِ حیات میں یکسانیت ضروری تھی۔ حاکم و محکوم کی جانب جھکنے کی چنداں حاجت نہیں تھی سو ابن الوقت نے ہم وطنوں کو ترغیب دی کہ وہ خوراک، پوشاک، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے میں انگریزی تقلید کریں، انگریزی زبان سیکھیں اور جدید تعلیم حاصل کریں۔ بالفاظِ دیگر جنٹلمین بن جائیں۔"(۱۰)

ناول "ابن الوقت" میں ابن الوقت ہیرو ہے جو اپنی وضع قطع بدل کر انگریزوں کی تہذیب و معاشرت کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے جب انگریز آقا تھے اور اہلِ ہند ان کی رعایا تھے، اس عہد میں جب عوام کو غلامی کا احساس ہونے کی بجائے ان کی نقالی میں صاحب بننے کی کوشش کرتے دیکھا تو یہ ناول لکھا تا کہ قوم کو یہ احساس دلا سکیں کہ محض نقالی سے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ حجت الاسلام اپنے عملیت پسند رویے یعنی pragmatic approach کی بدولت ابن الوقت کی سدِ راہ کر دیتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ شارپ سمیت جملہ انگریزوں کی منشا کے مطابق وہ انگریزیت سے تائب ہو جائے۔ قدیم وضع اختیار کرے تا کہ صاحبانِ عالی شان کو گمان نہ گزرے کہ غلام آقاؤں کی برابری کرنا چاہتے ہیں جب کہ اس برابری کے وہ اہل بھی نہیں۔ کہاں انگلستان کی رعایا اور کہاں ہندوستانی رعیت۔ اس ضمن میں اقتباس دیکھیے:

> "نالیاقتی کا تو یہ حال ہے کہ نہ ہمت ہے نہ جرات، نہ اتفاق ہے نہ تہذیب ہے، ناشائستگی ہے، نہ سچائی کی تلاش ہے، نہ معلومات ہیں، نہ معلومات بہم پہنچانے کا شوق ہے، نہ ہنر ہے نہ تجارت ہے، نہ دولت ہے نہ ایجاد ہے، نہ صناعت ہے۔۔۔۔۔ چاقو مقراض، سوئی تاگا، دیا سلائی، انواع و اقسام کے کپڑے ہر ضرورت و آسائش کی اکثر چیزیں، انگریزی ہی انگریزی دکھائی دیتی ہیں۔"(۱۱)

ناول کا ہیرو علامتی انداز میں اس پورے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے جو پیسے کے زور پر نا کہ قابلیت کے زور پر خود کو آقا تسلیم کروانے کی خواہش کا اسیر ہے۔ جو یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ آقاؤں کی روش اختیار کرنے سے آقا نہیں بنا جا سکتا بلکہ ان آقاؤں کی صدیوں پر محیط علمی سفر اور محنت کی کرشمہ سازی کو سمجھنے اور وہی طویل سفر طے کرنے کی ضرورت ہے جس سے گزر کر وہ آقا بننے کی منزل تک آئے۔ انگریزی وضع میں ابن الوقت جیسے ہندوستانی شاہسوار نے رواداری میں سلام کرتے ہوئے جب شارپ جیسی سرکار کو پیچھے چھوڑ دیا تو عتابِ حاکمانہ لازم تھا۔ سو ایک سہانی صبح کلکٹر کاروبکار ابن الوقت کی میز پر تھا جس میں اہم ترین دفعہ درج ذیل تھی:

> "دفعہ ا: کل شام کے وقت، ایں جانب دریائے گنج کی سڑک پر، پیادہ پا چلے آتے تھے۔ ڈپٹی ابن الوقت صاحب گھوڑے پر سوار پیچھے سے ایں جانب کے برابر آ کے باتیں کرنے لگے۔ ڈپٹی صاحب سے اس گستاخی کا جواب طلب ہو۔"(۱۲)

انگریزیت کے راستے کی ناہمواری ابن الوقت پر مزید واضح ہو گئی جب شارپ نے ابن الوقت کو مقامی ہونے کی بنا پر شرفِ باریابی بخشنے سے انکار کر دیا۔ پورے ناول میں ابن الوقت کی مضحکہ خیز تصویر ہر اس قوم کی تصویر پیش کرتی ہے جس نے محنت اور علم کے حصول کو اپنانے کی بجائے کسی ترقی یافتہ قوم کی زبان یا تہذیب کی نقالی کو علم یا بڑائی تصور کر لیا۔

"ایک چھوڑ دو دو مہاجن دینے والے، حسبِ ضرورت جتنا چاہا منگوالیا۔ تنخواہ تو اوپر سے خزانچی لے لیا کرتا تھا اور ذمہ داری کا محاصل گڑوالوں کی کوٹھی میں چلا جاتا تھا"۔(۱۳)

یہاں خزانچی اور مہاجن جیسے الفاظ دیکھا جائے تو علامتی طور پر اس قوم کی تصویر پیش کرتے ہیں جو اپنی معیشت کو ترقی دینے کی بجائے قرضوں پر گزارا کرتی ہیں انگریزی تہذیب کی چمک دمک، ابن الوقت کا اپنا حلیہ تبدیل کر کے گھر بار چھوڑ کر چھاؤنی جانا، نوکروں کی پوری پلٹن، ان کی سلیقہ مندی سے انگریزوں کی سوسائٹی میں عزت، انگریزی روش اختیار کرنے کے مضحکہ خیز مسائل، اس رنگ میں رنگنے کے لیے دوڑ دھوپ، اچھا خاصہ سرمایہ ہونے کے باوجود مصنوعی زندگی اور مصنوئی رنگا رنگی کے لیے ادھار تک نوبت پہنچنا۔ یہ سب علامتی انداز میں ایک ایسی قوم کی تصاویر ہیں جو ظاہری چمک دمک سے مرعوب ہو کر ایک ایسی زندگی کے خواب بُن رہی ہیں جو مستقبل میں تباہی کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتی، بنگلہ، فٹن، پالکی گاڑی، مختلف قسم کے گھوڑے، بگھیاں سب وہ علامتیں ہیں جو ظاہری چمک دمک اور انگریزی تہذیب کی نقالی ہے۔ زندگی کتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے ہمارے پاس دوسروں کی بنائی ہوئی بیساکھیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ ابن الوقت کی احمقانہ سوچ کے سلسلے میں ناول کا یہ پیراگراف غور طلب ہے:

"کمبخت آپ بھی برباد ہو رہا تھا اور اس کی دیکھا دیکھی کچھ ایسی ہوا چلی کہ مسلمانوں کے نوجوان لڑکے خصوصاً جنھوں نے ذرا سی انگریزی پڑھ لی تھی، یا جو گھر سے کس قدر آسودہ تھے تباہی کے لچھن سیکھتے چلے گئے"۔(۱۴)

یہی وہ تمام باتیں اور مستقبل کی آگاہی تھی جو ابن الوقت کی تخلیق کا سبب بنی اور جس کے تحت ابن الوقت ایک آدمی نہیں پوری قوم کی علامت بن گیا ہے۔ درج بالا اقتباس میں مفلس اور مالدار کے الفاظ کسی فرد کے لیے نہیں ہیں بلکہ ان اقوام کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو خداداد وسائل سے اپنی معیشت کو مضبوط کرنے کی بجائے عیش و عشرت میں خرچ کر دیتی ہیں۔ پیسے کے زور پر ترقی یافتہ اقوام کے طور طریقے اپنا کر دراصل وہ مفلسی کو پروان چڑھانے کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ نذیر احمد عہد تغیر کی پیداوار تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد متغیر سماجی صورتحال اور بدلتے طرز احساس کی، سماجی، اخلاقی، مذہبی اور تخلیقی اظہار کی حامل متنوع شخصیات ہیں جن میں سر سید احمد خان، الطاف حُسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، اکبر آلہ آبادی اور ڈپٹی نذیر احمد کو بطورِ خاص نشان زد کیا جا سکتا ہے۔ اپنے عہد کی ترجمانی کرنے کی بنا پر یہ آج ماضی کے متغیر رویوں، ثقافتی اقدار میں انتشار اور تصورات نو کے پیدا کردہ بحران کی عکاسی کرنے والے آئینے نظر آتے ہیں ان شخصیات نے بالواسطہ یا بالا واسطہ طور پر با مقصد ادب، ادب برائے زندگی، ادب برائے اصلاح اور ادب برائے قوم کا تصور پیش کیا ہے۔ اُنیسویں صدی میں پیش کی گئی یہ تصویر جس کا نام "ابن الوقت" ہے اکیسویں صدی میں اس کی جلوہ گری کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ کوئی بھی قوم جتنی ترقی یافتہ اور مہذب ہو گی وہ اتنا ہی بڑا ادب پیدا کرے گی۔ بڑے ادیب اور شاعر قوم کا ذہن ہوتے ہیں اس لیے پڑھی لکھی اور ترقی یافتہ اقوام اپنے ادیبوں اور شاعروں کو علمی اور معاشرتی سطح پر زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔ اس ناول میں 1857ء کے بعد کی مسلمان سلطنت، انگریزوں کی آمد کے بعد مسلمان سلطنت کا زوال اس عہد کے رہن سہن، رئیسانہ ٹھاٹھ، تعلیم و تربیت کا انداز، زندگی کے عملی رویوں کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ناول میں مکالمہ نگاری کا کمال، اس کی

فنی خوبیوں کا احساس دلاتا ہے۔ ہر کردار اپنے انداز، اطوار اور الفاظ سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ ناول فکری سطح پر انسانی زندگی کے لیے محنت، علم اور ایمانداری کی ان کا اقدار کا تعین کرنے میں مدد کرتا ہے جن کے سہارے دائمی زندگی کا حصول ممکن ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ریاض ہمدانی، ڈاکٹر، اُردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص:۱۰۴

۲۔ نورالحسن نیّر، مولوی، نوراللغات، کراچی، جنرل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۸ء، ص:674

۳۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اردو نظم مشمولہ "نئی شاعری" مرتب افتخار جالب، لاہور، نئی مطبوعات، ۱۹۶۶ء، ص:۳۰۸

۴۔ روش ندیم، ڈاکٹر، علامت نگاری-ایہام گوئی کی لہر مشمولہ آفاق، شمارہ۸، راولپنڈی، ۲۰۰۲ء، ص:۸۹

۵۔ ایضاً، ص:۸۹

۶۔ ڈپٹی نذیر احمد، ابن الوقت، لاہور، بک ٹاک، ۲۰۱۸ء، ص:۷

۷۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، ناول نگاری: اردو ناول کی تنقیدی تاریخ، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۲۲ء، ص:۸۹

۸۔ ڈپٹی نذیر احمد، ابن الوقت، لاہور، بک ٹاک، ص:۹۷

۹۔ ڈپٹی نذیر احمد، ابن الوقت، ص:۲۶۹

۱۰۔ محمد عارف، ڈاکٹر، اردو ناول اور آزادی کے تصورات، لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹیو سوسائٹی، ۲۰۱۱ء، ص:۳۱۷

۱۱۔ ڈپٹی نذیر احمد، ابن الوقت، ص:۲۶۱۔۲۶۲

۱۲۔ ایضاً ص:۱۷۷

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۶۰

۱۴۔ ایضاً ص:۲۶۱۔۲۶۲

References in Roman Script:

1. Riaz Hamdani,Dr,Urdu Novel ka Nau Abadiati Mutalia,Fiction House,Lahore,2015,P:104

2. Noor-ul-hassan,Nayyer,Noor ul Lughat,General Publishing House,Karachi,1998,P,674

3.Sayed Abdullah,Dr,Urdu Nazam Mashmoola"Nai Shairi "Murattab Itikhar Jalib,Nai Matboaat,Lahore,1966,P,308

4.Rawish Nadeem,Alamat Nigari,Aiham Hohi Ki Lehr,Mashmoola"Afaq"Shumara8,Rawalpindi,2002,P,89

5.Ibid,P:89

6.Deputy Nazir Ahmed,Ibn-ul-Waqt,Book Talk,Lahore,2018,P:7

7.Sohail Bukhari,Navol:Urdu Novel ki Tareekhi Tanqeed,Maktaba Mairy library,Lahore,1922,P:89

8. Diputy Nazir Ahmed,Ibn-ul-waqt,book Talk,Lahore,2018,P:79

9.Ibid,P:269

10.Muhammad Arif,Dr,Urdu Novel aur Azadi kai Tassawrat,Pakistan writers Socity,Lahore,2011,P:317

11. Diputy Nazir Ahmed,Ibn-ul-waqt,book Talk,Lahore,2018,P,261-262

12.Ibid,P:177

13. Ibid,p:160

14. Ibid,p :261-262